حصہ II

ذریعہ معاش، معیشتیں اور سماج
(Livelihoods, Economies and Societies)

حصہ II میں ہم ذریعہ معاش اور معیشتوں کے مطالعہ پر توجہ دیں گے۔ ہم دیکھیں گے کہ جدید دنیا میں جنگل میں رہنے والوں اور چرواہوں کی زندگی کس طرح بدل کر رہ گئی اور ان تبدیلیوں کو طے کرنے میں انہوں نے کیا کردار نبھایا۔

اکثر ہم سبھی جدید دنیا کو ابھرتے دیکھ کر صرف کارخانوں اور شہروں پر اور زراعتی خطوں پر ہی نظر ڈالتے ہیں جو مارکیٹ کو مال مہیا کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ ان خطوں سے باہر بھی ایسی معیشتیں ہیں اور دوسرے لوگ بھی ہیں جو ملک کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر جدید نقطۂ نظر سے دیکھیں تو چرواہوں، جنگل میں رہنے والوں، زراعت کرنے والوں اور غذا اکٹھا کرنے والوں کی زندگی ماضی کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جب ہم عصری دنیا کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی زندگی کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ حصہ II میں ابواب بتاتے ہیں کہ ہمیں ان کی زندگیوں کا حال جاننے کی بھی ضرورت ہے، یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی دنیا میں کس طرح جیتے ہیں اور اپنی معیشتیں چلاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اس جدید دنیا کا ہی ایک حصہ ہیں جس میں ہم جی رہے ہیں۔ وہ صرف بیتے عہد کی باقیات نہیں ہیں۔

باب 4 آپ کو جنگل کی سیر کرائے گا اور ان مختلف طریقوں کے بارے میں بتائے گا جہاں ان میں رہنے والے گروہ جنگلات کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ آپ کو بتائے گا کہ انیسویں صدی میں صنعتوں اور شہری مراکز کی ترقی نے جہازوں اور ریلوے کے لیے عمارتی لکڑی اور جنگل کی دوسری اشیاء کے لیے کس طرح نئی نئی مانگیں پیدا کیں۔ ان نئی مانگوں نے جنگل کے استعمال کے لیے نئے اصول بنانے اور جنگلات کو منظّم کرنے کے لیے نئے راستے بنانے کی راہیں ہموار کیں۔ آپ دیکھیں گے کہ نوآبادیاتی نظام نے کس طرح جنگل پر اپنا کنٹرول کیا، کس طرح جنگلاتی علاقوں کی نقشہ کشی ہوئی، پیڑوں کی درجہ بندی کی گئی اور شجرکاری کی ترقی ہوئی۔ ان تمام نئی تبدیلیوں سے وہ تمام مقامی گروہ متاثر ہوئے جو جنگل کے وسائل استعمال کرتے تھے۔ ان کو نئے نظام کے اندر رہ کر اور اپنی طرز زندگی کو بدل کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے پر مجبور کیا گیا۔ لیکن انہوں نے اصول کے خلاف بغاوت بھی کی اور حکومت کو اپنی پالیسیاں بدلنے پر آمادہ کیا۔ یہ باب ہندوستان اور انڈونیشیا میں آئی ایسی ہی تبدیلیوں کی تاریخ سے آپ کو متعارف کرائے گا۔

باب 5 ہندوستان اور افریقہ کے میدانوں اور پٹھاروں میں واقع پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں چرواہوں (چراگاہی پیشہ اختیار کرنے والے لوگ) کی آمدورفت پر بات کرے گا۔ ان دونوں علاقوں میں چراگاہی کمیونٹیاں آبادی کا ایک اہم حصہ ہیں۔ اس کے باوجود ہم ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ درسی کتابوں میں بھی ان کی تاریخ نہیں ملتی۔ باب 5 آپ کو بتائے گا کہ جنگلات پر کنٹرول، زراعت کی توسیع اور گھٹتی چراگاہوں سے کس طرح ان کی زندگی متاثر ہوئی۔ یہ باب ان کی حرکات وسکنات کے طریقوں، دوسری کمیونیٹی سے ان کے تعلقات اور

بدلتے حالات سے ان کی ہم آہنگی کے بارے میں آپ کو بتائے گا۔

ہم عصری دنیا کی تشکیل کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ ہم مختلف کمیونیٹی اور لوگوں کی زندگیوں میں آئی تبدیلیوں پر نظر نہ ڈالیں۔ ہم جدید کاری سے وابستہ مسائل کو بھی اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک ہم ماحول پر اس کے اثر کو نہ دیکھیں۔

4917CH04

جنگل سماج اور نو آبادیت

اپنے اسکول اور گھر کے اطراف میں ایک سرسری نظر ڈالیے اور اُن اشیاء کی شناخت کیجیے جو جنگلات سے آتی ہیں۔ آپ کی کتاب کا کاغذ، ڈیسک اور میزیں، دروازے اور کھڑکیاں، وہ رنگ جس سے آپ کے کپڑے رنگے جاتے ہیں، آپ کی غذا میں استعمال ہونے والے مصالحے، آپ کی ٹافی کا سیلوفین ریپر (جس میں ٹافی لپٹی ہوتی ہے)، بیڑیاں بنانے والے تیندو کے پتے، گوند، شہد، کافی، چائے اور ربر۔ یہ تمام اشیاء جنگلات ہی کی دین ہیں۔ چاکلیٹ میں استعمال ہونے والے تیل کو نہ بھولئے گا جو سال کے بیجوں سے نکلتا ہے۔ وہ ٹینن، جو کھالوں اور پوست کو چمڑے میں بدلتا ہے، یا وہ جڑی بوٹیاں اور جڑیں جو اَدویاتی مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات ہم کو بانس بھی مہیا کرتے ہیں، ایندھن کے لیے لکڑی، گھاس، چارکول، پیکنگ کا سامان، پھل، پھول، جانور، پرندے اور بہت سی دوسری چیزیں سب ہی تو جنگلات کی دین ہیں۔ امیزون یا مغربی گھاٹ کے جنگلوں کے ایک ہی ٹکڑے میں پودوں کی 500 الگ الگ ذیلی قسمیں مل سکتی ہیں۔

نباتات اور حیوانات کی یہ گونا گوں قسمیں تیزی سے غائب ہو رہی ہے۔ 1700 اور 1995 کے درمیان، جو کہ صنعت کاری کا زمانہ تھا۔ 139 لاکھ مربع کلومیٹر جنگلات یا دنیا کے کل رقبے کا 9.3 فی صد جنگلات کا علاقہ، صنعتی استعمال، کاشتکاری، چراگاہوں اور ایندھن کی لکڑی حاصل کرنے کے لیے صاف کر دیا گیا۔

شکل 1۔ چھتیس گڑھ میں سال کا جنگل۔ تصویر میں پودوں اور درختوں کی مختلف بلندیوں اور مختلف انواع کو دیکھیے۔ یہ ایک گھنا جنگل ہے، اس لیے جنگل کے فرش پر سورج کی روشنی کا گزر بہت کم ہوتا ہے۔

1 جنگلوں کی تباہی کیوں؟

غائب ہوتے جنگلات کو عام طور پر جنگل کی تباہی کہا جاتا ہے۔ یہ جنگلات کی کٹائی کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ عمل کئی صدیوں پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ لیکن نوآبادیاتی حکمرانی کے دوران یہ عمل زیادہ منظّم اور وسیع پیمانے پر ہوا۔ آیئے ہم ہندوستان میں جنگل کی تباہی کی چند وجوہات پر نظر ڈالتے ہیں۔

1.1 زمین کی اصلاح

1600 میں ہندوستان کی زمین کے تقریباً چھٹے حصے پر کاشتکاری ہوتی تھی۔ اب یہ اعداد و شمار تقریباً آدھے حصے تک پہنچ چکے ہیں چونکہ صدیوں سے آبادی میں اضافہ ہوتا رہا ہے، اس لیے غذائی مانگ بڑھتی گئی۔ جنگلات کو صاف کرتے ہوئے اور زمین کو ہموار کرکے کاشتکاروں نے اپنے کھیتوں کی حدود کو بڑھا لیا۔ نوآبادیاتی دور میں کاشتکاری تیزی سے بڑھی تھی اس کی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ تو یہی تھی کہ انگریزوں

شکل 2: جب وادیاں بھری پڑی تھیں جان ڈاسن کی پینٹنگ لکوٹا قبیلے کی طرح دیسی امریکنوں کی شمالی امریکہ کے گریٹ میدانوں میں مختلف معیشتیں تھیں۔ وہ مکئی کی کاشت کرتے تھے، جنگلی پودوں کا چارہ جمع کرتے تھے، اور جنگلی بھینسوں کا شکار کرتے تھے۔ انگریزی آبادکاری نے جنگلی بھینسوں کے لیے وسیع علاقوں کو کھلا چھوڑنا زمین کا نقصان تصور کیا۔ 1860 کے عشرے میں جنگلی بھینسوں کی ایک بڑی تعداد کو مار ڈالا گیا۔

نے جوٹ، چینی، گیہوں اور کپاس جیسی تجارتی فصلوں کی پیداوار کی براہِ راست ہمت افزائی کی۔ اُنیسویں صدی کے یوروپ میں ایسی فصلوں کی مانگ بڑھ رہی تھی کیونکہ بڑھتی ہوئی دوسری شہری آبادی کا پیٹ بھرنے کے لیے غذائی اجناس کی مانگ تھی اور صنعتی پیداوار کے لیے خام مال کی بھی ضرورت تھی۔

باکس 1

کسی بھی جگہ پر کاشت کی زمین نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ زمین غیر آباد ہے۔ جب آسٹریلیا میں سفید فام آبادکاروں نے قدم رکھا، اُنہوں نے سوچا کہ یہ براعظم خالی یا نامعلوم اور غیر دریافت شدہ (Terra nullius) تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو اس کے اصل باشندوں کے پیروں سے بنے راستے سے آگے بڑھنے کی رہنمائی ملی۔ ان کی رہنمائی وہاں کے اصل باشندوں نے بھی کی تھی۔ آسٹریلیا میں رہنے والے مختلف اصل باشندوں کے فرقوں نے علاقوں کی واضح نشان دہی کی تھی۔ آسٹریلیا کے نگارندزیریوں (Ngarrindjeri) نے اپنے پہلے اجداد کی علامتی مورتی کے ساتھ ساتھ زمین کی حد بندی کر رکھی تھی جس کا نام نگورندیری (Ngurunderi) تھا۔ اس سرزمین میں پانچ مختلف ماحول موجود ہیں۔ نمکین پانی، دریائی راستے، جھیلیں، جھاڑیاں اور ریگستانی میدان جو وہاں کے باشندوں کی مختلف سماجی، معاشی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اُنیسویں صدی کے ابتداء میں نوآبادیاتی حکومت نے سوچا کہ جنگلات غیر پیداواری ہیں۔ ان کے حساب سے اس بے کار کے بیابان پر کھیتی کر کے اس سے زراعتی پیداوار حاصل کی جاسکتی تھی اور اس طرح سے ریاست کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ 1880 سے 1920 کے دوران کاشتکاری کے لائق زمین کے رقبے میں 67 لاکھ ہیکٹیئر کا اضافہ ہوا۔

ہم ہمیشہ ہی کاشتکاری کو ترقی کی علامت سمجھتے ہیں، لیکن ہم کو یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ زمین کو زیر کاشت لانے کے لیے جنگلات کا صاف کرنا ضروری ہے۔

1.2 پٹریوں پر سلیپر

شکل 3: سنگ بھوم کے جنگلوں میں سال کے تنوں سے سلیپروں کی تیاری، چھوٹا ناگپور۔ مئی 1897
ریل کی پٹری تیار کرنے کے لیے پیڑوں کو کاٹنے کے لیے اور اُن کو ہموار کرنے کے لیے محکمہ جنگلات آدی باسیوں کو ملازم رکھتا تھا لیکن اُنھیں اپنے ہی گھر بنانے کے لیے پیڑ کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔

ماخذ A

یہ خیال کہ غیر کاشت شدہ زمین کو حاصل کر کے اُس کو دوسری مختلف ضرورتوں کے لیے ہموار کیا جائے، پوری دنیا کے نوآبادکاروں میں عام تھا۔ یہ ایک ایسی دلیل تھی جس سے فتوحات کو جائز ٹھہرایا جاسکتا تھا۔

1896 میں امریکن مصنف رچرڈ ہارڈنگ نے مرکزی امریکہ میں ہونڈرس کے سلسلہ میں لکھا تھا:

''آج اس سے زیادہ کوئی دوسرا دلچسپ سوال نہیں ہے کہ دنیا میں پڑی وسیع زمین کا کیا کیا جائے، اس کا جواب اُس کی اصلاح کر کے قابل استعمال بنانا ہے۔ ایسی زمین اُس طاقت کے ہاتھ میں جائے جو اُس کو معاشی ترقی کے لیے بدلنا چاہتا ہے یا اُس اصل مالک کے پاس رہے جو اُس کی افادیت سمجھنے میں ناکام ہے۔ وسطی امریکہ کے باشندے اُن نیم وحشی لوگوں کی طرح ہیں جو سجے سجائے گھروں میں رہتے ہیں جن کے بارے میں وہ نہ تو اُن میں پوشیدہ آرام کو ہی سمجھتے ہیں اور نہ ہی اُن کا استعمال جانتے ہیں۔

اس کے تین سال بعد امریکی ملکیت میں یونائیٹڈ فروٹ کمپنی قائم ہوئی اور وسطی امریکہ میں صنعتی پیمانے پر کیلے کے باغات لگائے۔ کمپنی کو ان علاقوں کی حکومتوں پر اس درجہ اثر رسوخ حاصل ہوگیا کہ یہ بنانا ریپبلکس (کیلوں کے باغات کی جمہوریہ) کے نام سے مشہور ہوگئی۔

ڈیوڈ اسپر کی تصنیف، دی ریٹورک آف امپائر میں درج بیان (1993)

نئے الفاظ

سلیپرز: ریل کی پٹری کے آر پار لگے لکڑی کے تختے جو پٹریوں کو ان کی جگہ پر روکے رکھتے ہیں۔

اُنیسویں صدی کے ابتدائی حصے تک انگلینڈ کے اندر موجود شاہ بلوط کے درختوں کے جنگلات ختم ہو رہے تھے۔ اس کی وجہ سے شاہی بحریہ کے لیے ٹمبر (عمارتی لکڑی) فراہم کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا۔ مسئلہ یہ تھا کہ موجودہ صورت میں مضبوط اور دیرپا ٹمبر کی باقاعدہ فراہمی کے بغیر برطانیہ کے لیے سمندری جہازوں کی تعمیر کس طرح ہو؟ سمندری جہازوں کے بغیر شاہی اقتدار کا تحفظ کس طرح ہو اور اُسے برقرار کس طرح رکھا جائے؟ 1820 کی دہائی تک، ہندوستان کے جنگلاتی وسائل کی کھوج کے لیے تلاش پارٹیاں بھیجی گئیں۔ دس سال کے اندر اندر بھاری پیمانے پر پیڑوں کو کاٹا گیا اور ٹمبر کی ایک بڑی تعداد کی برآمد ہندوستان سے ہونے لگی۔

1850 کے دہے سے ریل راستوں کی توسیع کے لیے ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ نوآبادیاتی تجارت اور شاہی افواج کی آمدورفت کے لیے ریلویز نہایت ضروری تھیں۔ بھاپ کی طاقت سے چلنے والے انجنوں کو لکڑی کی ضرورت تھی اور ریلوے لائنوں کے باہم پیوستہ رہنے کے لیے سلیپر ضروری تھے۔ ریلوے کے ہر ایک میل کے لیے 1,760 سے لے کر 2,000 سلیپروں کی ضرورت پیش آتی تھی۔

1860 کی دہائی آنے تک ریلوے نٹ ورک میں بڑی تیزی سے توسیع ہوئی۔ 1890 کا سال آنے تک تقریباً 25,500 کلومیٹر ریلوے لائن بچھائی جا چکی تھی۔ 1946 میں ریلوے لائنوں کی یہ لمبائی بڑھ کر 7 لاکھ 65 ہزار کلومیٹر تک جا پہنچی۔ ہندوستان میں ریلوے لائنوں کی توسیع کے ساتھ ساتھ درختوں کی ایک بڑی تعداد کو اُکھاڑ پھینکا گیا۔ 1850 کے دہے تک تنہا مدراس پریزیڈنسی ہی میں سالانہ تقریباً 35,000 پیڑ گرا دیے گئے۔ حکومت نے مطلوبہ مقدار کی فراہمی کے لیے افراد کو ٹھیکے دیے۔ ان ٹھیکے داروں نے اندھا دھند پیڑوں کی کٹائی شروع کر دی۔ ریلوے لائنوں کے آس پاس کے علاقے سے جنگلات تیزی سے ختم ہونا شروع ہو گئے۔

شکل 4: کسالانگ دریا میں بہتے ہوئے بانس کے بنڈل، چٹاگانگ پہاڑی پٹی

شکل 5: رنگون میں واقع ٹمبر یارڈ میں ٹمبر کے شہتیروں کا ڈھیر لگاتے ہوئے ہاتھی: نوآبادیاتی دور میں جنگلات اور ٹمبر یارڈوں دونوں سے بھاری شہتیروں کو اُٹھانے کے لیے ہاتھی کے استعمال کا رواج عام تھا۔

ماخذ B:

''ملتان اور سکھر کے درمیان وادی سندھ میں ریلوے کی نئی تعمیر کی جانی تھی۔ جس کا فاصلہ تقریباً 300 میل تھا۔ جس کے لیے 2000 سلیپر فی میل کے حساب سے "5×"10×'10 کے 6 لاکھ سلیپرز (یا 3.5 مکعب فٹ فی اکائی) کی ضرورت تھی۔ جن کا کل حجم 20 لاکھ مکعب فٹ سے زیادہ ہوتا تھا۔ بھاپ کی طاقت سے چلنے والے انجنوں کو لکڑی کے ایندھن کی بھی ضرورت تھی۔ آنے جانے کے یومیہ ایک ٹرین کے حساب سے ایک من فی میل کی شرح سے سالانہ 2 لاکھ 19 ہزار من لکڑی کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ لکڑی کی ایک بڑی سپلائی اینٹیں پکانے کے لیے بھی درکار تھی۔ لکڑی کے یہ سلیپرز خاص طور سے سندھ کے جنگلات سے آتے تھے۔ سندھ اور پنجاب کے جھاؤ (Tamarisk) اور جھانڈ (Jhand) جنگلات سے ایندھن آتا تھا۔ دوسری شمالی ریاستی ریلوے لائن لاہور سے لے کر ملتان تک تھی۔ اس کی تعمیر کے لیے 22 لاکھ سلیپروں کے استعمال کا اندازہ لگایا گیا تھا۔''

ای۔ پی۔ اسٹیپنگ: ہندوستان کے جنگلات (فارسٹس آف انڈیا) والیوم II (1923)

سرگرمی

ریلوے ٹریک کے ہر میل پر 1760 سے 2000 سلیپروں کی ضرورت تھی۔ اگر اوسطاً پیڑ سے 3 میٹر لمبی پٹری بچھانے کے لیے 3 سے 5 سلیپروں کی ضرورت پڑتی ہو تو بتائیے کہ ایک میل لمبی پٹری کے لیے کتنے پیڑ کاٹنے کی ضرورت ہوگی؟

شکل 6: ایندھن کی لکڑی جمع کرنے کے بعد گھر واپس لوٹتی عورتیں

شکل 7: لکڑی کے لٹھے لے جاتے ہوئے ٹرک۔ جب محکمۂ جنگلات کسی جنگلی علاقے کی کٹائی کا کام شروع کرنا چاہتا تھا تو، پہلا کام تو اتنی چوڑی سڑکیں بنانے کا تھا، جہاں سے ٹرک گزر سکتے ہوں۔ اس کا موازنہ جنگل کے ان راستوں سے کیجیے جہاں سے لوگ ایندھن کی لکڑی اور دوسری معمولی جنگل کی پیداوار جمع کرنے کے لیے گزرتے تھے۔ لکڑی کے ایسے ہی بہت سے ٹرک جنگلاتی علاقوں سے بڑے بڑے شہروں میں جاتے تھے۔

1.3 شجرکاری (Plantation)

یوروپ میں مختلف لوگوں کی بڑھتی مانگوں کو پورا کرنے کے لیے چائے، کافی اور ربر کی شجرکاری قدرتی جنگلات کو بھی کاٹ کر کے کی گئی۔ نوآبادیاتی حکومت نے جنگلات پر قبضہ کیا اور اُن کو کافی سستی قیمتوں پر یوروپین شجرکاروں کے حوالے کر دیا۔ ان علاقوں کی احاطہ بندی کر کے جنگلات صاف کر دیے گئے اور ان پر چائے یا کافی کے باغات لگائے گئے۔

شکل 8: پلیژر برانڈ چائے

2 تجارتی جنگل بانی کا عروج

پچھلے حصے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ سمندری جہاز اور ریلویز کی تعمیر کے لیے انگریزوں کو جنگلات کی ضرورت تھی۔ انگریز پریشان اس وجہ سے ہوئے کہ مقامی لوگوں کے ذریعہ جنگلات کا استعمال اور تاجروں کے ذریعہ پیڑوں کی اندھا دھند کٹائی سے جنگلات برباد ہو جائیں گے۔ اس لیے اُنہوں نے ایک جرمن ماہر ''ڈائرچ برانڈس'' صلاح کے لیے بلانے کا فیصلہ کیا اور اُسے ہندوستان کا پہلا انسپیکٹر جنرل آف فاریسٹ بنایا گیا۔

برانڈس کو اس بات کا احساس ہوا کہ جنگلات کا انتظام چلانے کے لیے ایک مناسب ضابطہ بنانا ہوگا اور لوگوں کو تحفظ کی سائنس کی تربیت دینی ہوگی۔ ایسے ضابطوں کے نفاذ کے لیے قانونی منظوری کی ضرورت تھی۔ جنگلاتی وسائل کے استعمال کے ضابطے اور اُصول مرتب کرنے تھے۔ پیڑوں کو گرانے اور چراگاہ کے طور پر استعمال کرنے پر پابندیاں عائد کرنا ضروری تھا کہ عمارتی لکڑی کی پیداوار کے لیے جنگلات کا تحفظ کیا جاسکے۔

سرگرمی

اگر 1862 میں آپ کے ہاتھ میں ہندوستان کا نظام ہوتا اور آپ کو اتنے بڑے پیمانے پر ریلویز کے لیے سلیپر اور ایندھن کے لیے لکڑی فراہم کرنا پڑتی، تو آپ کیا اقدامات اُٹھاتے۔

شکل 9: اٹلی میں ٹسکینی میں موجود منظّم پاپلر جنگل کا ایک بغلی راستہ۔ پاپلر کے جنگلات خاص طور سے عمارتی لکڑی کے لیے اچھے ہوتے ہیں۔ ان کی پتیاں، پھل یا دوسری چیزیں استعمال نہیں ہوتیں۔ ایک جیسی بلندی والے درختوں کی سیدھی قطار پر نظر ڈالیے۔ یہ ایک ایسا نمونہ ہے جس کے مطابق سائنٹیفک جنگل بانی کی ترقی کی جاتی ہے۔

شکل10: کانگڑہ میں دیودار کی شجرکاری، انڈین فاریسٹ ریکارڈ، والیوم XV سے ماخوذ 1933

ضابطوں پر عمل کیے بغیر پیڑ کاٹنے والے کسی بھی شخص کو سزا دینی پڑسکتی تھی۔ اس کیے برانڈس نے 1864 میں انڈین فاریسٹ سروس قائم کی اور 1865 کے انڈین فارسٹ ایکٹ بنانے میں مدد کی۔ 1906 میں، دہرہ دون میں امپیریل فارسٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا۔ یہاں جن ضوابط کی تعلیم دی گئی، وہ ''سائنٹفک جنگل بانی'' کہلائی۔ اب بہت سے لوگ نے جن میں ماہرین ماحولیات بھی شامل ہیں یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ ضوابط بالکل بھی سائنٹفک نہیں تھے۔

ایسی سائنٹفک جنگل بانی میں وہ قدرتی جنگلات جن میں مختلف قسم کے پیڑ پودے تھے، کاٹ ڈالے گئے۔ اُن کی جگہ پر ایک ہی قسم کے پیڑ سیدھی قطاروں میں لگائے گئے۔ اس عمل کو شجر کاری کہا جاتا ہے۔ جنگلات افسران جنگلات کا جائزہ لیتے تھے، مختلف قسم کے پیڑوں کے تحت درختوں کے رقبے کا اندازہ لگایا گیا اور جنگل کے انتظامیہ کے لیے کام کا منصوبہ بنایا گیا۔ اُنہوں نے ہر سال کاٹے جانے والے پیڑوں کے رقبے کا منصوبہ بنایا۔ کاٹے گئے پیڑوں کی جگہ دوبارہ پود لگائی جاتی تھی تاکہ چند سال بعد وہ کٹائی کے لیے دوبارہ تیار ہو جائیں۔

شکل11: امپیریل فارسٹ اسکول، دہرہ دون، انڈیا۔
جنگل بانی کے پہلے اسکول کا افتتاح برٹش سلطنت میں ہوا تھا۔
انڈین فاریسٹر، والیوم XXXI سے ماخوذ۔

1865 میں جنگلات کا قانون وضع ہونے کے بعد ایک بار اس کی ترمیم 1878 میں اور اُس کے بعد 1927 میں ہوئی۔ 1878 ایکٹ کے تحت جنگلات کو تین زمروں میں بانٹا گیا، محفوظ جنگل، تحفظ شدہ جنگل اور گاؤں کا جنگل۔ سب سے عمدہ جنگلات محفوظ جنگلات کہلاتے تھے۔ گاؤں والے ان جنگلات سے کوئی بھی چیز نہیں لے سکتے تھے۔ مکان کی تعمیر یا ایندھن کے لیے وہ تحفظ شدہ جنگلات یا گاؤں کے جنگلات سے لکڑی لے سکتے تھے۔

2.1 لوگوں کی زندگی کس طرح متاثر ہوئی؟

جنگلات کے محافظ اور گاؤں والوں کا اس مسئلہ پر اختلاف تھا کہ جنگل کیسا ہونا چاہیے۔ گاؤں والے یہ چاہتے تھے کہ جنگلات میں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مصالحے، ایندھن چارہ اور پتیاں ملی جلی ہونی چاہئیں۔ اس کے برعکس محکمۂ جنگلات ایسے درخت چاہتا تھا جو جہاز سازی اور ریلویز بنانے میں موزوں ہوں۔

نئے الفاظ:

سائنٹفک جنگل بانی: محکمہ جنگلات کے تحت پیڑ کاٹنے کا نظام، جس میں پرانے پیڑ کاٹے اور نئے لگائے جاتے تھے۔

شکل12: جنگلات سے مہوے جمع کرتے ہوئے لوگ
گاؤں والے سورج نکلنے سے پہلے جاگتے ہیں اور مہوے کے اُن پھولوں کو جمع کرنے جنگل جاتے ہیں جو پیڑوں کے نیچے گرتے ہیں۔ مہوے کے پیڑ بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔ مہوے کے پھول کھائے جاتے ہیں اور ان کو شراب بنانے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے بیجوں کو تیل بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اُن کو ایسے درختوں کی ضرورت تھی جو سخت لکڑی مہیا کریں اور لمبے اور سیدھے ہوں۔ اس لیے ساگوان اور سال جیسی مخصوص انواع کی حفاظت کی گئی، بقیہ کاٹ ڈالے گئے۔ جنگل کے علاقوں میں بہت سی چیزوں کے لیے لوگ جڑوں، پتیوں، پھلوں اور گنٹھے جیسی جنگل کی اشیاء استعمال کرتے ہیں۔ پھل اور گنٹھے تغذیہ بخش غذائیں ہیں، خاص طور سے فصل کی کٹائی سے پہلے مانسون کے زمانے میں ان کا استعمال ہوتا ہے۔ جڑی بوٹیاں دواؤں میں استعمال ہوتی ہیں، لکڑی جوؤں اور ہلوں جیسے زراعتی آلات میں، بانس سے شاندار چہار دیواری بنتی ہے اور ساتھ ہی ٹوکریاں اور چھتریاں بنانے میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے۔ خشک کیے ہوئے کدو کو پانی کی بوتل کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ جنگل میں تقریباً ہر چیز حاصل ہے۔ پتوں کو جوڑ کر پلیٹوں اور پیالیوں کی شکل میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سیادی بیل کو رسیاں بنانے میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سیمور پیڑ کی کانٹے دار چھال کا سبزی کے کھیت میں جنگلہ بنانے میں استعمال ہوسکتا تھا۔ مہوے کے پیڑ کے درخت سے نکلے پھل سے تیل کشید کیا جاسکتا ہے جس کا استعمال پکانے اور لیمپ جلانے میں ہوتا ہے۔

شکل13: تیندو کے پتے کو خشک کرتے ہوئے لوگ:
جنگلات میں رہنے والے لوگوں کے لیے تیندو کے پتے آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ ہر بنڈل میں تقریباً 50 پتے ہوتے ہیں اور اگر کوئی شخص خوب محنت کرلے تو وہ روزانہ 100 بنڈل جمع کرسکتا ہے۔ جمع کرنے والوں میں عورتیں بچے اور بوڑھے ہوتے ہیں۔

جنگلاتی قانون کا مطلب پورے ملک کے گاؤں والوں کے لیے مصائب بھری زندگی تھا۔ اس ایکٹ کے بعد، اپنے گھر کے لیے لکڑی کاٹنا، مویشی چرانا، پھل اور جڑیں اکٹھا کرنا، شکار کھیلنا اور مچھلی پکڑنا جیسی تمام سرگرمیاں غیر قانونی ہوگئیں۔ اس لیے، اب لوگ جنگلات سے لکڑی چرانے پر مجبور ہوئے، اگر وہ

شکل 14: کھلیان سے اناج لاتے ہوئے لوگ
لوگ ٹوکریوں میں اناج لے جا رہے ہیں۔ مرد کندھوں پر لٹکائے ٹوکریاں لے جا رہے ہیں، جبکہ عورتیں یہ ٹوکریاں سر پر لے جا رہی ہیں۔

پکڑے جاتے تو وہ اُن جنگل کے محافظوں کے رحم وکرم پر تھے جو رشوت لیتے تھے۔ خاص طور سے وہ عورتیں جو ایندھن کی لکڑی اکٹھا کرتی تھیں، کافی پریشان تھیں۔ گاؤں والوں سے ڈرا دھمکا کر مفت غذا طلب کرنا پولیس والوں کی ایک عام عادت تھی۔

سرگرمی

جنگلاتی علاقوں کے آس پاس رہنے والے بچے سینکڑوں پیڑوں اور پودوں کے نام بتا سکتے ہیں۔ آپ پیڑوں کی کتنی انواع کے نام بتا سکتے ہیں؟

2.2 جنگل کے ضابطوں سے کاشتکاری کس طرح متاثر ہوئی؟

یوروپی نوآبادیاتی نظام کا سب سے بڑا اثر منتقلی زراعت پر پڑا۔ یہ روایتی زراعت ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے کئی حصوں میں کی جاتی ہے۔ اس کے بہت سے مقامی نام ہیں مثلاً جنوبِ مشرقی ایشیا میں لادنگ، وسطی امریکہ میں مِلپا، افریقہ میں چیت مین یا تاوی اور سری لنکا میں چینا، ہندوستان میں اس کے دھیا، پینڈا، بیور، نیوڑ، جھوم، پودُو، کھندا اور کمڑی چند ایسے مقامی نام ہیں جو منتقلی والی زراعت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

منتقلی زراعت میں جنگل کے حصوں کو کاٹا جاتا ہے اور باری باری جلایا جاتا ہے۔ مانسون کی پہلی بارش کے بعد، راکھ میں تخم ریزی کی جاتی ہے اور اکتوبر-نومبر میں فصل کی کٹائی ہوتی ہے۔ ایسے پلاٹوں پر چندسالوں تک کاشتکاری کی جاتی ہے اور اُس کے بعد تقریباً 12 سے 18 سال تک جنگل اُگنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ان پلاٹوں پر ملی جلی فصلیں اُگائی جاتی ہیں۔ وسطی ہندوستان اور افریقہ میں یہ باجرہ ہوسکتا ہے۔ برازیل میں مینیاک (ایک پودا جس کے نشاستے سے روٹی، روا یا سوجی بنائی جاتی ہے) اور لاطینی امریکہ کے دوسرے حصوں میں یہ مکئی اور پھلیاں ہوسکتی ہیں۔

شکل 15: تونگیا کاشتکاری ایک ایسا نظام تھا جس میں کسانوں کو شجرکاری میں عارضی طور سے کاشتکاری کی اجازت تھی۔ 1921 میں برما کے اندر تھرّاواڈی ڈویژن میں لی گئی تصویر میں کاشتکار چاول کی پود لگا رہے ہیں۔ مرد لوہے کے سروں والے بانسوں سے مٹی میں سوراخ کرتے، جبکہ عورتیں ہر سوراخ میں چاول کی پود لگاتی ہیں۔

یوروپی محافظ جنگلات نے اس طریقے کو جنگلات کے لیے نقصان دہ سمجھا۔ اُن کا خیال تھا کہ ہر بار چند برسوں تک کاشتکاری کے لیے استعمال کی گئی زمین ریلوے ٹمبر کے لیے پیڑ اُگانے کے لیے استعمال نہیں ہوسکتی۔ جنگل میں آگ لگانے پر شعلوں کے پھیلنے کا خطرہ رہتا ہے جس سے قیمتی لکڑی جل سکتی ہے۔ منتقلی والی زراعت میں حکومت کے لیے ٹیکسوں کا حساب لگانا بھی مشکل تھا۔ اس لیے حکومت نے

شکل 16 : جنگل کے پینڈا یا پودو کے قطعہ میں آگ لگانے کا عمل
منتقلی والی زراعت میں، جنگل کو صاف کیا جاتا ہے، خاص طور سے پہاڑی ڈھلانوں پر۔ پیڑوں کی کٹائی کے بعد اُن کو راکھ میں بدلنے کے لیے جلا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس علاقے میں تخم ریزی کی جاتی ہے اور بارش سے آب پاشی کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

منتقلی زراعت ممنوع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے نتیجہ میں بہت سی کمیونیٹیز کو جنگل میں اُن کے گھروں سے زبردستی بے گھر کیا گیا۔ اس وجہ سے کچھ لوگوں کو تو اپنا پیشہ بدلنا پڑا جبکہ دوسرے گروہ ایسے بھی تھے جنہوں نے چھوٹی اور بڑی بغاوتوں سے مدافعت کی۔

شکل 17: لڑکپن میں مچھلیاں پکڑنا
بچے اپنے والدین کے ساتھ جنگل جاتے ہیں اور مچھلی پکڑنا، جنگل کی پیداوار جمع کرنا اور کاشت کاری کرنا سیکھتے ہیں۔ بانس کا شکنجہ جو اُس کے دائیں ہاتھ میں ہے، ندی کے بہاؤ کے دہانے پر لگا دیا جاتا ہے۔ مچھلیاں بہہ کر اُس میں آتی رہتی ہیں۔

2.3 شکار کون کر سکتا ہے؟

جنگل کے نئے قوانین نے ایک دوسرے طریقے سے جنگل میں رہنے والے نئے لوگوں کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ جنگل کے قوانین سے پہلے وہ لوگ جو جنگل یا اُس کے قرب وجوار میں رہتے تھے، ہرنوں، تیتروں اور مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کرتے تھے۔ لیکن نئے قوانین نے اس رواجی چلن کو ممنوع کر دیا وہ لوگ جو اَب شکار کرتے پکڑے جاتے، غیر قانونی شکار کرنے کے جرم میں سزا پاتے تھے۔

ایک طرف تو جنگل کے قوانین نے لوگوں کے روایتی حقوق سے اُن کو محروم کر دیا، دوسری طرف بڑے جانوروں کا شکار اب ایک ''اسپورٹ'' بن گیا۔ ہندوستان میں باگھوں (ٹائیگر) اور دوسرے جانوروں کے کلچر کا ایک حصہ تھا۔ متعدد مغل پینٹنگز شہزادوں اور شہنشاہوں کے شکار سے لطف اندوز ہونے کے مناظر دکھاتی ہیں۔ لیکن نوآبادیاتی حکومت کے دور میں شکار اس درجہ بڑھ گیا کہ بہت سی انواع تو تقریباً ناپید ہوگئیں۔ انگریزوں نے بڑے بڑے جانوروں کو وحشی، ابتدائی اور جنگلی سماج کے نشان کے طور پر دیکھا۔ اُنہوں نے تصور یہ کر لیا کہ ایسے خطرناک جانوروں کو مار کر انگریز ہندوستان کو ایک مہذب

شکل18: نیپال میں شکار کرتے ہوئے لارڈ ریڈنگ۔
اس فوٹو میں مرے ہوئے ٹائیگر گنیے۔ جب نوآبادیاتی دَور کے افسران اور راجا شکار کرنے جاتے تھے تو اُن کے ساتھ ملازموں کی ایک پوری ٹیم ہوتی تھی۔ گاؤں کے ماہر شکاری شکار کی کھوج کرتے تھے اور صاحب تو صرف گولی چلاتے تھے۔

ملک بنا دیں گے۔ اُنہوں نے ٹائیگروں، بھیڑیوں اور دوسرے بڑے جانوروں کے مارنے پر اس لیے انعام کا اعلان کیا کہ یہ کاشتکاروں کے لیے خطرہ تھے۔ 1875 اور 1925 کے درمیان 80,000 ٹائیگرز، 1,50,000 تیندوے، 2,00,000 بھیڑیئے انعام کی خاطر مارے گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ٹائیگر کو ایک کھیل کی ٹرافی کے طور پر دیکھا جانے لگا۔ اکیلے سرگجا کے مہارانا نے 1957 تک 1,157 ٹائیگرز اور 2000 تیندوؤں کا شکار کیا۔ ابتدا میں جنگلات کے کچھ علاقے شکار کے لیے محفوظ تھے۔ لیکن اُس وقت کافی دیر ہو چکی تھی جب ماہرین ماحولیات اور تحفظ کرنے والوں نے دلیل پیش کرنا شروع کی کہ ان تمام جانوروں کی انواع کی حفاظت کی ضرورت ہے اور ان کو مارنا نہیں چاہیے۔

ماخذ: C

بیگا وسطی ہندوستان کے جنگلات میں رہنے والا ایک قبیلہ ہے۔ 1892 میں منتقلی والی زراعت ختم ہونے کے بعد اُنہوں نے حکومت کو عرض داشت پیش کی۔

''ہم روزانہ بھوکوں مر رہے ہیں اور ہمارے پاس غذائی اناج نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ میں اب صرف ایک ہی دولت باقی بچی ہے اور وہ ہے ہماری کلہاڑی۔ ہمارے پاس تن ڈھکنے کو کپڑے نہیں، سردی کی رات آگ جلا کر گزارتے ہیں۔ غذا کی کمی کی وجہ سے ہم بھوکوں مر رہے ہیں۔ ہم کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ ہماری کس غلطی کی سزا حکومت ہم کو دے رہی ہے اور ہماری فکر نہیں کرتی؟ قیدیوں تک کو جیل میں خوب کھانا مہیا کیا جاتا ہے، کیا ایک کاشتکار کو اُس کی مقبوضات سے محروم نہیں کیا جا رہا ہے؟ حکومت ہم کو ہمارے اُس حق سے بھی محروم کر رہی ہے جو ہم کو یہاں صدیوں سے نسل در نسل حاصل تھے۔''

ویریر ایلون 1939 بحوالہ مادھو گاڈگل اور رام چندر گوہا کی تصنیف: دس فشرڈ لینڈ: این اکولوجیکل ہسٹری آف انڈیا

2.4 نئی تجارت نے ملازمتوں اور خدمات کے مواقع پیدا کیے

ایک طرف تو محکمہ جنگلات کے، جنگلات پر قبضہ جمانے کے بعد لوگوں نے بہت کچھ کھو دیا، دوسری طرف اُنہوں نے ایسے نئے مواقع سے فائدہ بھی اُٹھایا جو تجارت میں پیدا ہوئے تھے۔ بہت سی کمیونٹیز نے اپنے روایتی پیشوں کو چھوڑ، جنگل کی اشیاء کی تجارت شروع کر دی۔ یہ صورتِ حال صرف ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ پوری دنیا میں رونما ہوئی۔ مثال کے طور پر، اُنیسویں صدی کے وسطی حصے میں ربڑ کے لیے بڑھتی مانگ کے ساتھ امیزن ندی کی وادی میں رہنے والے برازیل کے ''مندروکو'' قبیلے کے لوگوں نے جو بلند علاقوں میں رہتے تھے اور مینوک کی کاشت کرتے تھے،

تاجروں کوفراہم کرنے کے لیے ربڑ کے پیڑوں سے رال جمع کرنا شروع کردیا۔ بتدریج وہ تجارتی کمپنیوں سے وابستہ ہوگئے اور اب وہ مکمل طور سے تاجروں کے رحم وکرم پر تھے۔

ہندوستان میں بھی جنگل کی اشیاء کی تجارت کوئی نیا پیشہ نہیں تھی۔ وسطی عہد سے لے کر کافی آگے کی مدت تک ہمارے پاس آدی باسی قبائل کے ایسے ریکارڈ موجود ہیں جہاں بنجاروں جیسے خانہ بدوش قبائل (ہاتھیوں اور دیگر اشیاء جیسے) پوستین، سینگ، ابریشم کے کوئے، ہاتھی دانت، بانس، مصالحے، ریشے، مختلف گھاسوں، گوند اور رال جیسی اشیاء کی تجارت کرتے تھے۔

تاہم، ہندوستان میں انگریزوں کے آنے کے ساتھ ایسی تجارت کے سلسلے میں مکمل طور سے ضابطے بنائے گئے۔ برٹش حکومت نے مخصوص علاقوں میں جنگل کی اشیاء کے تجارتی حقوق بڑی بڑی یوروپی تجارتی فرموں کو ہی سونپ دیے۔ مقامی لوگوں کے مویشی چرانے اور شکار کرنے کی سرگرمیاں محدود کردی گئیں۔ اس عمل کے نتیجہ میں کوروا، کرچھا اور مدراس پریزیڈنسی کے یروکولا جیسے بیشتر چراگاہی زندگی گزارنے والے اور خانہ بدوش قبائل اپنی روزی روٹی کے ذریعہ سے محروم ہوگئے۔ ان میں سے بہت سے قبائل کو ''جرائم پیشہ قبائل'' کہا جانے لگا۔ جس کے بعد وہ حکومت کی نگرانی میں فیکٹریوں، کانوں اور شجرکاری کے باغات میں کام کرنے پر مجبور ہوگئے۔

کام کے نئے مواقع کا ہمیشہ یہ مطلب نہیں تھا کہ لوگوں کے لیے اُن کی زندگی کی فلاح کا کام ہورہا تھا۔ آسام میں جھارکھنڈ کے سنتھال اور اوراؤن اور چھتیس گڑھ کے گونڈ جیسے جنگل کے قبائل سے وابستہ مرد اور عورتوں دونوں کو چائے کے باغات میں بھرتی کیا گیا۔ اُن کی اجرتیں بہت کم تھیں اور کام کے حالات نہایت خستہ تھے۔ وہ اپنے گاؤں کے اُن گھروں تک بآسانی واپس نہیں لوٹ سکتے تھے جہاں سے اُن کی بھرتی ہوئی تھی۔

ماخذ D

پوٹو مایو میں ربر کی کشید

دنیا میں ہر جگہ شجرکاری باغات میں کام کے وہ حالات تھے جن کو دیکھ کر دل دہل جائے۔ پیرووین ربر کمپنی (برٹش اور پیرووین مفادات سے وابستہ) امیزن کے خطے پوٹو مایو میں ربر کی کشید کے لیے ہٹوٹس کہلائے جانے والے مقامی ہندوستانیوں کی جبریہ محنت پر منحصر تھی۔ 1912-1900 سے ربڑ کی 4000 ٹن برآمد، تقریباً 30,000 ہندوستانی آبادی کو ایذارسانی، بیماریوں اور فرار کی وجہ سے آئی کمی سے وابستہ تھی۔ ربر کمپنی کا ایک ملازم بیان کرتا ہے کہ ربر کس طرح جمع کی جاتی تھی۔ منیجر نے سینکڑوں ہندوستانیوں کو اسٹیشن پر طلب کرلیا۔
اُس نے اپنی کاربائن اورمیشیٹ اُٹھائی اور اُن بے کس ہندوستانیوں کا قتل عام شروع کردیا۔ زمین پر 150 ایسی نعشیں بکھری پڑی تھیں جن میں خون میں نہائے، مدد کے طلبگار مرد، عورتیں اور بچے شامل تھے۔ باقی ہندوستانیوں کو بھی مُردوں کے ڈھیر میں شامل کرکے جلا کر خاک کردیا گیا۔ دوسری طرف منیجر چیخ کر بولا، ''میں اُن تمام ہندوستانیوں کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہوں جو ربر کے بارے میں میرے اُن احکام کو نہ مانیں جو میں اُن سے کروانا چاہتا ہوں۔''

مائیکل ٹاؤسگ، ''کلچر آف ٹیرر اسپیس آف ڈیتھ'' تصنیف نکولس ڈرکس، ایڈ۔ کلونیلزم اینڈ کلچر۔ 1992

3 جنگلات میں بغاوت

دنیا بھر میں اور ہندوستان کے کئی حصوں میں جنگل میں رہنے والے قبائل نے اُن تبدیلیوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا جو ان پر تھوپی گئی تھیں۔ گیتوں اور کہانیوں میں، انگریزوں کے خلاف، سنتھال پرگنہ میں سدھو اور کانو جیسے لیڈروں کی تحریکوں، چھوٹا ناگپور کے برسا منڈا اور آندھرا پردیش کے الوری سیتا رام راجو کی یاد آج تک زندہ ہے۔ ہم اب ایسی ہی ایک بغاوت کے بارے میں تفصیلی بحث کریں گے جو 1910 میں ریاست بستر میں ہوئی۔

3.1 بستر کے باشندے

بستر چھتیس گڑھ کے جنوب بعید میں واقع ہے اور اس کی سرحدیں آندھرا پردیش، اُڈیشہ اور مہاراشٹر سے ملتی ہیں۔ بستر وسطی حصہ ایک پٹھار ہے۔ اس پٹھار کے شمال میں چھتیس گڑھ کا میدان اور جنوب میں گوداوری کا میدان ہے۔ اندراوتی ندی بستر ہو کر مشرق سے مغرب کی جانب بہتی ہے۔ ماریا، موریا گونڈ، دھرو، بھترس اور ہلبا جیسے مختلف قبائلی فرقے بستر میں رہتے ہیں۔ یہ مختلف زبانیں بولتے ہیں لیکن ان کے اپنے رواج اور عقائد یکساں ہیں۔ بستر کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ دھرتی ماتا نے ہر گاؤں کو زمین دی تھی اور اس کے بدلے وہ ہر زراعتی تیوہار کے موقعہ پر کسی نہ کسی شکل میں نذرانہ پیش کرتے ہوئے زمین کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وہ ندی، جنگل اور پہاڑ کی آتماؤں کا احترام کرتے ہیں۔

شکل 19: بستر میں فوجی کیمپ، 1910
فوجی کیمپ کی یہ تصویر 1910 میں لی گئی تھی۔ فوج خیموں، باورچیوں اور فوجیوں کے ساتھ چلتی تھی۔ یہاں ایک سپاہی باغیوں کے خلاف کیمپ کی حفاظت کر رہا ہے۔

چونکہ ہر گاؤں کو اُس کی سرحد کا علم ہوتا ہے، اس لیے مقامی لوگ اس سرحد کے اندر موجود قدرتی وسائل کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ اگر کسی گاؤں کے لوگ، دوسرے گاؤں کے جنگل سے کچھ لکڑی لینا چاہیں تو اُن کو دیوسری، دنڈ یا مان نام کی معمولی سی فیس دینا پڑتی ہے۔ چند گاؤں ایسے بھی ہیں جو ایک چوکیدار کو ملازم رکھ کر اپنے جنگلات کی حفاظت کرتے ہیں جس کے بدلے ہر خاندان اُن کو تھوڑا بہت اناج دیتا ہے۔ ہر سال ایک بڑے شکار کا انعقاد ہوتا ہے جہاں پرگنہ (گاؤں کا مجموعہ) میں ہر گاؤں کے مکھیا اپنے مسائل پر بات چیت کرنے کے لیے ملتے ہیں جن میں جنگلات بھی شامل ہیں۔

شکل 20: 2000 میں بستر کا نقشہ
1947 میں ریاست بستر کو کانکر ریاست کے ساتھ شامل کیا گیا اور یہ مدھیہ پردیش کا ایک ضلع بن گیا۔ 1998 میں اس کو دوبارہ کانکر، بستر اور دانتے واڑہ نام کے تین اضلاع میں بانٹ دیا گیا۔ 2001 میں یہ اضلاع چھتیس گڑھ کا حصہ بن گئے۔ 1910 میں بغاوت سب سے پہلے کانگر کے جنگل کے علاقے (دائرے میں) میں ہوئی اور جلد ہی ریاست کے دوسرے حصوں میں پھیل گئی۔

3.2 لوگوں کے خوف

جب نوآبادیاتی حکومت نے 1905 میں جنگل کے دوتہائی حصے کو محفوظ کرنے کی تجویز پیش کی اور منتقلی والی زراعت شکار اور جنگل کی پیداوار اکٹھا کرنے پر پابندی لگائی، تو بستر کے لوگ بہت فکر مند ہوئے۔ چند گاؤں والوں کو محفوظ جنگلات میں رہنے کی اجازت اس شرط پر دی گئی کہ وہ پیڑ کاٹنے اور اُن کو دوسرے مقامات تک پہنچانے اور جنگل کو آگ لگنے سے بچانے کے لیے محکمۂ جنگلات کے لیے مفت خدمات انجام دیں گے۔ اس کے نتیجہ میں یہ ''جنگلاتی گاؤں' کے نام سے مشہور ہوئے۔ دوسرے گاؤں کے لوگوں کو بغیر کسی نوٹس یا معاوضے کے بے گھر کر دیا گیا۔ طویل مدت تک گاؤں والے زمین پر بڑھے کرایے اور نوآبادیاتی افسران کی وقتاً فوقتاً مفت خدمات انجام دینے اور جنگلات کی اشیاء کے مطالبات سے پریشان تھے۔ اسکے بعد لگاتار 1900-1899 اور 1908-1907 میں خوفناک قحط پڑے۔ ایسے تحفظات نے ان کو روکھی سوکھی روٹی کے آخری سہارے سے بھی محروم کر دیا۔

لوگوں نے اپنی گاؤں کی مجلسوں، بازاروں اور میلوں ٹھیلوں پر جمع ہو کر ان مسائل پر بحث شروع کی یا کسی بھی ایسی جگہ پر جہاں کئی گاؤں کے مکھیا اور پجاری جمع ہوتے تھے، ان پریشانیوں کا ذکر ہوتا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم کانگر جنگل کے دھروؤں نے اُٹھایا جہاں جنگلات کا تحفظ سب سے پہلے ہوا تھا۔ اگر چہ حکومت کے فیصلے کے خلاف چلنے والی تحریک کا کوئی ایک لیڈر تو نہیں تھا، لیکن بہت سے لوگ گاؤں نتھنار کے گنڈا دھر کا ذکر ضرور کرتے ہیں جو اس تحریک کا ایک اہم رکن تھا۔ 1910 میں آم کی ٹہنیاں مٹی کے ڈھیلے، مرچیں اور تیر گاؤں گاؤں چکر کاٹنے لگے جو دراصل انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے گاؤں والوں کو بلانے کے پیغامات تھے۔ ہر گاؤں نے اس بغاوت پر امکانی خرچ کے لیے کچھ نہ کچھ دیا۔ بازار لوٹ لیے گئے، افسران اور تاجروں کے مکانات، اسکول اور پولیس اسٹیشنوں کو آگ لگا دی گئی اور لوٹا گیا اور اس طرح حاصل اناج کو تقسیم کر دیا گیا۔ جن لوگوں پر حملہ ہوا تھا، اُن میں زیادہ تر وہ لوگ شامل تھے جو کسی نہ کسی طرح سے نوآبادیاتی ریاست اور اُس کے ظالمانہ قوانین سے وابستہ تھے۔ ولیم وارڈ نے، جو ایک عیسائی مبلغ تھا اور جس نے ان واقعات کا مشاہدہ کیا تھا، لکھا ''جگد لپور میں ہر سمت سے پولیس والے، تاجر، جنگل کے چپراسی، اسکول ماسٹر اور گاؤں چھوڑنے والوں کی بھیڑ چلی آ رہی تھی۔

ماخذ E:

بھونڈیا نے 400 آدمیوں کو جمع کیا، کئی بکریوں کی بلی دی اور دیوان کو گھیرنے نکل پڑے جس کی بیجاپور سے آنے کی اُمید تھی۔ یہ بھیڑ 10 رفروری کو شروع ہوئی تھی۔ جس نے مرینگا اسکول، پولس پوسٹ، لائنوں اور کیسلور پر واقع تلاب کو اور توکا پال (راجور) میں واقع اسکول کو جلا ڈالا۔ کرنجی اسکول میں آگ لگانے کے لیے ایک ٹکڑی روانہ کی اور ریاستی ریزرو پولیس کے ایک ہیڈ کانسٹیبل اور چار کانسٹیبلوں کو روک لیا جن کو دیوان کی حفاظت کرنے اور اُسے واپس لانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ بھیڑ نے گارڈوں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی بس صرف اُن کے ہتھیار چھین لیے اور پھر اُن کو جانے دیا۔ بھونڈیا مانجھی کی سرکردگی میں باغیوں کی ایک جماعت دیوان کا اصل راستہ چھوڑنے کی صورت میں راستے کو روکنے کے لیے کوئرندی گئی۔ بقیہ بیجاپور سے آنے والی اصل سڑک روکنے کے لیے دل ملی گئے۔ بدھو ماجھی اور ہر چند نایک اصل جماعت کی رہبری کر رہے تھے۔

ڈی بریٹ سیاسی ایجنٹ چھتیس گڑھ فیوڈیٹری ریاستوں کی جانب سے کمشنر چھتیس گڑھ ڈویژن کو بھیجا گیا خط۔ 23 جون 1910

ماخذ F

بستر میں رہنے والے بزرگوں نے اپنے والدین سے سنی جنگ کی اس کہانی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا:

کانک پال کے پودیامی گنگا کو اُس کے باپ پودیامی ٹوکلی نے بتایا تھا:

''انگریز آئے اور اُنہوں نے زمین پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ راجا نے اپنے چاروں طرف ہونے والے واقعات پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس لیے یہ دیکھتے ہوئے کہ اُن کی زمین پر قبضہ ہو رہا ہے، اُس کے حامیوں نے لوگوں کو جمع کیا اور جنگ شروع ہو گئی۔ اُس کے کٹر حمایتی مارے گئے، جو باقی بچے، اُن کو کوڑے لگائے گئے۔ میرے باپ پودیامی ٹوکلی کے بھی کئی کوڑے لگے، لیکن وہ فرار ہو گیا اور زندہ بچ رہا۔ یہ انگریزوں سے چھٹکارا پانے کے لیے ایک تحریک تھی۔ انگریز باغیوں کو گھوڑوں سے باندھ دیتے تھے اور اُن کو گھسیٹتے تھے۔ ہر گاؤں سے ایک یا دو آدمی جگد لپور گئے، ان میں چھڈ پل کے گرگی دیوا اور مچلولا، مرکا میراس کے دولے اور ادرابندی، بلیرس کا وادا پنڈو، پالم کا اُنگا اور متعدد دوسرے لوگ شامل تھے۔''

اسی طرح سے گاؤں نندراسا کے چندرو نے بتایا:

''لوگوں کے ساتھ علاقے کے بزرگ لوگ شامل تھے، جن میں پالم کے ملّے مُدال، نندراسا کا سوئیکل دھروا اور پندوا ماجھی شامل تھے۔ ہر پرگنہ کے لوگوں نے النار ترائی میں پڑاؤ ڈال دیا۔ پلک جھپکتے ہی پلٹن نے لوگوں کو گھیر لیا۔ گنڈا دھر بہت تیز بھاگتا تھا، اس لیے وہ تو بھاگ نکلا۔ لیکن یہ بے چارے تیر کمانوں سے کر ہی کیا سکتے تھے؟ جنگ رات کے وقت ہوئی۔ لوگ جھاڑیوں میں جا چھپے اور رینگ کر بھاگ لیے۔ فوجی پلٹن بھی چلی گئی۔ جو لوگ زندہ بچے، اُنہوں نے کسی نہ کسی طرح اپنے گاؤں کا راستہ پکڑا۔

انگریزوں نے بغاوت فرو کرنے کے لیے فوجی ٹکڑیاں روانہ کر دیں۔ آدی باسی لیڈروں نے بات چیت کرنے کی کوشش کی لیکن انگریزوں نے اُن کے کیمپوں کو گھیر لیا اور وہاں جمع لوگوں پر گولی چلا دی۔ اُس کے بعد بغاوت میں حصہ لینے والے لوگوں کو کوڑے لگاتے ہوئے، اور ایذائیں دیتے ہوئے گاؤں میں گھمایا گیا۔ چونکہ لوگوں نے جنگل کی جانب راہِ فرار اختیار کی اس لیے زیادہ تر گاؤں ویران ہو گئے۔ انگریزوں کو اس علاقے پر دوبارہ قبضہ کرنے میں تین ماہ (فروری-مئی) لگ گئے۔ تاہم گُنڈا دھر کبھی بھی اُن کے ہاتھ نہ لگا۔ باغیوں کو حاصل ایک اہم فتح کی وجہ سے تحفظ کا کام عارضی طور پر ملتوی رہا اور وہ علاقہ جو کہ محفوظ کیا جانے والا تھا 1910 سے پہلے کے منصوبے سے گھٹا کر آدھا کر دیا گیا۔

بستر کے لوگوں اور جنگلات کی کہانی وہیں ختم نہیں ہوئی۔ آزادی کے بعد بھی، صنعتی استعمال کے لیے لوگوں کو جنگل سے باہر رکھنے اور جنگلات کو محفوظ کرنے کی پالیسی بدستور جاری رہی۔ 1970 کے دہے میں، عالمی بینک نے 4,600 ہیکٹیر، قدرتی سال کے جنگلات کی جگہ پر کاغذ کی صنعت کو لگدی مہیا کرنے کے لیے ٹراپیکل پائین کے درخت لگانے کی تجویز پیش کی۔ ماحولیات کے قائل مقامی لیڈروں کے احتجاجات کے بعد ہی یہ پروجیکٹ روکا گیا۔

آیئے اب ہم ایشیا کے دوسرے حصے انڈونیشیا کی جانب اپنا رُخ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہاں اس زمانے میں جنگلات کے سلسلے میں کیا پالیسی اختیار کی جا رہی تھی۔

4 جاوا میں جنگل کی کایاپلٹ

آج جاوا انڈونیشیا میں چاول پیدا کرنے والے جزیرے کی حیثیت سے مشہور ہے۔ لیکن کسی زمانے میں یہ جزیرہ زیادہ تر جنگلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ انڈونیشیا میں ولندیزیوں (ڈچ) کی نوآبادیاتی حکومت قائم تھی۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ وہاں جنگل پر قبضے سے وابستہ قوانین ایسے تھے جو انڈونیشیا اور ہندوستان کے جنگل قوانین سے ملتے جلتے تھے۔ انڈونیشیا جاوا میں اُس جگہ واقع ہے جہاں ولندیزیوں نے جنگل کا انتظام شروع کیا تھا۔ انگریزوں کی طرح اُن کو بھی اپنے سمندری جہاز بنانے کے لیے جاوا کی لکڑی کی ضرورت تھی۔ 1600 میں جاوا کی آبادی تقریباً 34 لاکھ تھی۔ جاوا کے زرخیز میدانوں میں گاؤں آباد تھے لیکن وہاں بہت سی ایسے کمیونٹیز بھی موجود تھیں جو پہاڑی علاقوں میں رہ کر منتقلی والی زراعت کرتی تھیں۔

4.1 جاوا کے لکڑہارے

جاوا کی کالنگ ایک ایسی کمیونٹی تھی جو جنگل کی کٹائی اور منتقلی والی زراعت کی ماہر تھی۔ یہ اس درجہ اہم تھے کہ جب جاوا کی ماتارام بادشاہت تقسیم ہوئی تو 6,000 کالنگ خاندان دونوں باشاہتوں میں مساوی طور پر تقسیم کیے گئے۔ ان کی مہارت کے بغیر جنگل سے ساگوان کے پیڑ کاٹنے اور بادشاہوں کے لیے محلات تعمیر کرنے کا کام کافی مشکل ہو جاتا۔ جب اٹھارہویں صدی میں ولندیزیوں نے جنگلات پر قبضہ کرنا شروع کیا، اُنھوں نے کالنگوں سے اپنے تحت کام کروانے کی کوشش کی۔ 1770 میں جوانا میں واقع ولندیزی قلعے پر حملہ کرتے ہوئے کالنگوں نے مدافعت کی لیکن اُن کی شورش دبادی گئی۔

4.2 ولندیزیوں کا سائنٹفک فنِ جنگل بانی

اُنیسویں صدی میں جب لوگوں کے علاوہ جنگلات پر بھی قبضہ کرنا ضروری ہو گیا تو گاؤں والوں کی جنگلات تک رسائی کو محدود کرنے کے لیے ولندیزیوں نے جاوا میں جنگلات سے متعلق قوانین وضع کیے۔ ان نئے قوانین کے مطابق اب کڑی نگرانی ہی میں صرف مخصوص جنگلات سے کشتی سازی اور گھروں کی تعمیر کے لئے لکڑی کی کٹائی ہو سکتی تھی۔ لگائے ہوئے نئے باغات میں مویشی چرانے، بغیر اجازت لکڑی لے جانے یا گھوڑا گاڑی یا بیل گاڑی سے جنگلات کے راستوں پر سفر کرنے کے لیے گاؤں والوں کو سزا دی جاتی تھی۔

ہندوستان کی طرح جہاز سازی اور ریل راستوں کی تعمیر کے لیے جنگلاتی خدمت کی ضرورت پیش آئی۔

شکل 21: جنگل سے ساگوان کا نقل و حمل کرتی گاڑی۔ نوآبادیاتی زمانے کا آخری دور

1882 میں، تنہا جاوا سے ہی 2,80,000 سلیپر برآمد کیے گئے۔ تاہم اس کے لیے پیڑ کاٹنے، لٹھوں کو لے جانے اور اُن کو سلیپرز (تختوں) میں تبدیل کرنے کے لیے مزدوروں کی ضرورت پیش آئی۔ پہلے تو ولندیزیوں نے جنگل میں واقع زمین پر کاشتکاری کے لیے کرایے کا تعین کیا اور اُس کے بعد پیڑ کاٹنے اور اُن کے نقل وحمل کے لیے مفت محنت اور بھینسوں کو مہیا کر کے اجتماعی طور پر کام کرنے کی صورت میں چند گاؤں کا کرایہ معاف کر دیا گیا۔ یہ نظام بلان ڈانگ ڈین اسٹن (blandongdiensten) کہلایا۔ بعد میں کرایے سے چھوٹ کی بجائے، جنگل کے گاؤں والوں کو تھوڑی بہت اُجرتوں کی ادائیگی ہونے لگی، لیکن جنگل کی زمین پر کاشت کاری کرنے کے اُن کے حق کو محدود کر دیا گیا۔

4.3 سمین کا چیلنج

1890 کے آس پاس ساگوان جنگل کے ایک گاؤں رانڈ وبلاتنگ گاؤں کے سورانتیکو سمین نے جنگل کی سرکاری ملکیت پر ایک سوال کھڑا کر دیا۔ اُس نے دلیل یہ پیش کی کہ سرکار نے ہوا، پانی، زمین اور لکڑی پیدا نہیں کی، اس لیے وہ اس کی مالک کس طرح بن سکتی ہے۔ اسی دلیل کے مطابق، جلد ہی وسیع علاقے میں ایک تحریک پھیل گئی، جن لوگوں نے یہ تحریک شروع کی اُن میں سمین کے داماد بھی تھے۔ 1907 تک 3,000 خاندان اُس کے خیالات سے متفق ہو گئے تھے۔ سمین حامی چند لوگوں نے زمین پر لیٹ کر اُس وقت احتجاج کیا جب ولندیزی جنگل کا جائزہ لینے آئے جبکہ چند لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ٹیکس یا جرمانہ ادا کرنے یا مزدوری کرنے سے انکار کر دیا۔

ماخذ G

ڈرک وان ہوگنڈورپ نے جو نوآبادیاتی جاوا میں یونائیٹڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک افسر تھا، نے کہا تھا، ''بٹاوینو! جو کچھ میں بتانا چاہتا ہوں اس کو تم سن کر حیران رہ جاؤ گے۔ ہمارے سمندری بیڑوں کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے، ہماری تجارت سسک رہی ہے، ہماری جہاز رانی برباد ہونے والی ہے۔ ہم شمالی حکومتوں سے جہاز سازی کے لیے لکڑی اور دوسرا سامان کافی رقم خرچ کر کے خریدتے ہیں اور ہم یہاں جاوا کی سرزمین پر جنگی اور تجارتی فوجی ٹکڑیوں کو چھوڑ رہے ہیں جن کی جڑیں نہایت گہری ہیں۔ جی ہاں، جاوا کے جنگلات میں لکڑی اتنی بھری پڑی ہے جو تھوڑی ہی مدت میں ایک طاقتور بحری بیڑہ اور تجارتی مقاصد کے لیے اتنے جہاز بنانے کے لیے کافی ہے جتنے ہم چاہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود (پیڑوں کی کٹائی) جاوا کے جنگلات اتنی تیزی سے بڑھتے ہیں جتنی اُن کی کٹائی ہو اور یہ دیکھ بھال اور عمدہ انتظام کے بعد تو کبھی ختم نہ ہونے والے جنگلات بن جائیں گے۔

ڈرک وان ہوگنڈورپ کی کتاب پیلوسو، رچ فوریسٹس۔ پوئر پیپل 1992 سے ایک حوالہ

شکل 22: انڈونیشیا کے زیادہ تر جنگلات، سماترا، کالی منتن اور مغربی آئرین جیسے جزائر میں واقع ہیں۔ تاہم، جاوا وہ جگہ ہے جہاں ولندیزیوں نے سائنٹفک جنگل بانی کی ابتدا کی تھی۔ وہ جزیرہ جو آج چاول کی پیداوار کے لیے مشہور ہے کبھی ساگوان کے گھنے جنگلات سے ڈھکا ہوا تھا۔

4.4 جنگ اور جنگلات کی تباہی

جنگلات پر پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کا گہرا اثر پڑا۔ ہندوستان میں اس موقعہ پر جنگل سے وابستہ منصوبوں کو نظر انداز کیا گیا اور محکمۂ جنگلات نے اپنی جنگی ضروریات پوری کرنے کے لیے آزادانہ طور سے جنگل کی کٹائی کی۔ جاوا میں جاپانیوں کے قبضہ سے بالکل پہلے ہی ولندیزیوں نے ''اسکورچڈ ارتھ پالیسی'' (جنگی مقاصد کے حصول کی راہ میں آنے والی ہر چیز کو برباد کرنے کی پالیسی) پر عمل کرتے ہوئے آرا مشینوں کو برباد اور ساگوان کی لکڑی کے بڑے بڑے ذخائر کو آگ لگا دی تاکہ یہ بڑھتی ہوئی جاپانی افواج کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ اس علاقے پر جاپانی قبضے کے بعد، جاپانیوں نے اپنی جنگی صنعتوں کے لیے جنگلات کو کاٹنے کے لیے جنگلات میں رہنے والے گاؤں والوں کو مجبور کر کے اندھا دھند جنگل کی کٹائی کر کے استحصال کیا۔ بیشتر گاؤں والوں نے جنگل میں کاشتکاری کی توسیع کے لیے موقع کا فائدہ اُٹھایا۔ جنگ کے بعد انڈونیشیائی فارسٹ خدمات (محکمۂ جنگلات) کے لیے اس زمین کو واپس لینا بڑا مشکل کام ہو گیا۔ ہندوستان کی طرح، وہاں بھی زراعتی زمین کے لیے عوامی ضرورت کی وجہ سے زمین پر قبضے اور لوگوں کے وہاں سے اخراج کے مسئلہ پر محکمۂ جنگلات اور عوام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔

شکل23: انڈین میونیشنس بورڈ، روانگی کے لیے تیار سولے پگوڈ میں جنگ کے لیے لکڑی کے شہتیروں کا ڈھیر-1917

اگر اتحادی اپنی نوآبادیات کے لوگوں اور وسائل کا استحصال نہ کرتے تو اُن کو پہلی اور دوسری عالمگیر جنگوں میں اس درجہ کامیابی نہ ملتی۔ ہندوستان، انڈونیشیا اور دوسرے ممالک کے جنگلات پر ان دونوں جنگوں کے نتائج تباہ کن ثابت ہوئے۔ جنگلات سے وابستہ منصوبوں کو نظر انداز کیا گیا اور محکمۂ جنگلات نے اپنی جنگی ضروریات پوری کرنے کے لئے آزادانہ طور سے جنگلات کی کٹائی کی۔

4.5 جنگل بانی میں ہوئیں نئی ترقیاں

1980 کے دہے سے ایشیا اور افریقہ کے ممالک کی حکومتوں کی سائنٹفک جنگل بانی اور جنگلات سے جنگل میں رہنے والی کمیونٹی کو دور رکھنے کی وجہ سے بہت سے اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔ آج جنگلات سے لکڑی حاصل کرنے کے بجائے، اُن کا تحفظ زیادہ اہم مقصد بن چکا ہے۔ حکومت تسلیم کرتی ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اُن لوگوں کو بھی شامل کرنا چاہیے جو جنگلات کے قریب رہتے ہیں۔ پورے ہندوستان میں میزورم سے کیرالہ تک ایسی مثالیں بہت سی ہیں جہاں گھنے جنگلات صرف اس وجہ سے بچ رہے کہ گاؤں والوں نے ان کی حفاظت مقدس کنجوں کی حیثیت سے کی جو سرنا، دیورا کڑو، کان اور رائی وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ کچھ گاؤں ایسے بھی ہیں جہاں فارسٹ گارڈ رکھنے کے بجائے ہر خاندان باری باری اپنے جنگل پر نگرانی اور چوکسی رکھتا ہے۔ آج جنگل میں رہنے والے مقامی فرقے اور ماہر ماحولیات (ماحول کی صفائی کے حامی یا ماہر لوگ) ایسے بھی ہیں، جو جنگلاتی انتظامیہ کی مختلف شکلوں کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔

شکل24: ولندیزی نوآبادیاتی حکومت کے تحت ریمبانگ میں لٹھوں کے ذخیرے کا مرکز

سرگرمیاں

سرگرمیاں

1. آپ جس جگہ رہتے ہیں وہاں کے جنگلاتی علاقوں میں کیا کچھ تبدیلیاں آئی ہیں؟ معلوم کیجئے کہ یہ تبدیلیاں کیا ہیں اور یہ کیوں رونما ہوئیں؟

2. جنگل میں شکار کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ایک نوآبادیاتی جنگل بان اور ایک آدی باسی کے درمیان ایک مکالمہ لکھئے۔

سوالات

1. بحث کیجئے کہ نوآبادیاتی دور میں آئی تبدیلیوں نے لوگوں کے مندرجہ ذیل گروپوں کو کس طرح متاثر کیا۔

- انتقالی زراعت کرنے والے
- خانہ بدوش اور چراگاہی کمیونٹی
- لکڑی اور جنگل کی پیداوار کی تاجر فرمیں
- شجرکاری مالکان
- شکار کرنے والے راجے مہاراجے اور انگریز افسران۔

2. بستر اور جاوا میں جنگلات کے نوآبادیاتی انتظام میں کیا یکسانیتیں موجود ہیں؟

3. 1880 اور 1920 کے درمیان برصغیر ہندوستان کا جنگل سے ڈھکا علاقہ 1086 لاکھ ہیکٹیر (10 کروڑ 86 لاکھ) سے گھٹ کر 989 لاکھ ہیکٹیر (9 کروڑ 89 لاکھ) ہی رہ گیا جو 97 لاکھ ہیکٹیر کی کمی تھی۔ اس زوال (تباہ کاری) میں مندرجہ ذیل عوامل کے کیا رول ہیں ان پر بحث کیجیے۔

- ریلویز
- بحری جہاز سازی
- زراعتی توسیع
- تجارتی کاشت کاری
- چائے/کافی شجرکاری
- آدی باسی اور دوسرے کسان جو جنگلاتی وسائل کا استعمال کرتے تھے۔

4. جنگلات جنگوں سے متاثر کیوں ہوتے ہیں؟